مذہبی، اعتبار سے اپنا مربی سمجھتے اور ان کی مذہبی تعبیر کے سامنے سر جھکا دیتے، مختار کے اس بہروپ سے بہت مرعوب ہوئے اور اس کی اطاعت کے لئے ہر موقع پر جب کہ دوسرے آقاؤں کے احکام نظر انداز ہو جاتے تیار رہتے تھے اس حربہ سے مختار نے بڑے کام نکالے جیسا کہ ان کی تفصیلات کے وقت ہم دیکھیں گے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مختار طائف کا باشندہ تھا پہلی بار اس سے ہماری ملاقات ۱۳ھ میں اس کے باپ ابو عبیدہ کے ساتھ ہوتی ہے حضرت عمرؓ نے ابو عبید کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ حیرہ کے راستہ سے عراق کے ایرانی علاقہ (سواد) پر حملہ کرنے ۱۳ھ میں روانہ کیا تھا۔ مختار اس کے ساتھ تھا اس کی عمر تیرہ برس کی تھی ابو عبید جنگ میں کام آیا[1]۔ یہ تصریح بلاذری نے انساب الاشراف میں کی ہے لیکن ابن سعد نے واقدی کی سند سے لکھا ہے کہ ابو عبید نے روانہ ہوتے وقت اپنے بچوں کو مدینہ چھوڑ دیا تھا اس کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے لڑکے عبید اللہ نے اس کی لڑکی صفیہ سے شادی کر لی اور مختار مدینہ میں مقیم ہو گیا ان کی ہمدردیاں اور تعلقات اہل بیت کے ساتھ تھیں۔ پھر ۳۵ھ میں جب حضرت علی مدینہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو یہ ان کے ساتھ تھا اور کوفہ میں مقیم ہوا بصرہ کی جنگ جمل ۳۶ھ سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ کوفہ آئے اور اس کو اپنا پایہ تخت بنایا اور مختار کے چچا سعد بن مسعود کو عراق کے مشہور شہر مدائن کا گورنر مقرر کیا[2] مختار غالباً اس کے ساتھ رہنے لگا یا کوفہ سے اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا ایک دفعہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا: سعد نے غالباً محصول کا روپیہ مختار کی معرفت مدائن سے حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ روپیہ پیش کرنے کے بعد اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں پندرہ درہم تھے اور حضرت علیؓ سے بولا "یہ رنڈیوں کے مختانہ میں سے ہے"۔ حضرت علی نے ترش رو ہو کر کہا: "تیرا برا ہو میرا رنڈیوں سے کیا تعلق ؟" پھر جب وہ سلام کر کے لوٹنے لگا تو حضرت علی نے ان الفاظ میں اس کے راز دل کی نقاب کشائی کی: خدا اس کو غارت کرے، اس کا دل اگر نکال کر دیکھا جائے تو لات اور عزیٰ کی

---

[1] انساب الاشراف ۵/۲۱۴ [2] اخبار الطوال ۱۵۳ طبری ۶/۸۰

محبت سے پر ہوگا۔[۱]

اس کے بعد مختار سے ہماری ملاقات سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کے قتل کے بعد ہوتی ہے کوفہ کے عرب قبائلی سردار جنگ صفین (۳۷ھ) کے بعد سے برابر ان کی نافرمانی کرتے رہے زبانی اور اصولی طور پر ان کی اطاعت کا اعتراف کرتے لیکن جب ان کو معاویہ وغیرہ سے لڑنے کی ترغیب دی جاتی تو کترا جاتے اور بہانے بنا کر پیچھا چھڑا لیتے تین سال تک حضرت علیؓ جنگ جنگ پکارتے رہے بڑی بڑی دھواں دھار تقریروں میں کوفہ کی جامع مسجد سے ان کو ڈانٹتے اپنی خاندانی و علمی وجاہت کا پُرزور اعلان کرتے، ان کو بہلاتے، ڈراتے، اُبھارتے اور لالچ دلاتے لیکن سب بے سود، اس کی خاص وجہ جیسا کہ مدائنی[۲] نے تصریح کی ہے یہ تھی کہ حضرت علیؓ موالی اور غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے اور ان کو مال غنیمت میں سے وظیفے اور عطیے دیتے تھے یہ بات عربوں کو سخت ناگوار تھی غیر عرب ان کے نزدیک خود مال غنیمت تھے اسلام یا آزادی کے بعد بھی وہ عربوں کے برابر نہیں ہو سکتے تھے، مال غنیمت یا محاصل حکومت میں غیر عربوں کی شرکت ان کے لئے ناقابل برداشت تھی غیر عرب ان کی تمتع اور خدمت کی چیز تھے ان کے خیال میں غیر عربوں کو وہ حقوق نہیں مل سکتے تھے جو ایک فاتح اور حکمراں قوم کا حقِ خاص ہیں۔ حضرت علیؓ کے بعد ان کے لڑکے حضرت حسنؓ کو ان بے وفا لوگوں نے خلیفہ بنایا اور کچھ عرصہ بعد معاویہ سے لڑنے کو مدائن کی طرف روانہ ہوئے یہاں مختار اور اس کا چچا سعد ہم کو ملتے ہیں، سعد مدائن کا گورنر تھا۔ دونوں فوجوں کے ملتے ہی حسنؓ کی فوج کا بیشتر حصہ جو کوفہ کے ان قبائلی سرداروں اور ان کے ماتحت قبیلوں پر مشتمل تھا جنہوں نے حضرت علیؓ سے بے وفائی کی تھی بھاگ کھڑا ہوا ایک گروہ دشمن سے مل گیا ایک نے حسن کا خیمہ لوٹ لیا جس میں خزانہ اور اسلحہ تھا اور ان پر جارحانہ وار کرکے منتشر ہو گیا اس نازک موقعے پر مختار اپنے چچا سعد کو مشورہ دیتا ہے کہ حضرت حسن کو معاویہ کے سپرد کرکے تقرب شاہی حاصل کیا جائے۔ سعد کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی[۳] اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے بلاذری

---

[۱] اصابہ ۳/۵۱۸ و استیعاب حاشیہ اصابہ ۳/۵۳۶ [۲] شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید [۳] طبری ۶/۹۲

مصنف انساب الاشراف (۵/۲۱۲) کہتا ہے کہ بعض شیعوں کو جب مختار کے اس مشورہ کا پتہ چلا تو انھوں نے اس کو قتل کرنا چاہا لیکن سعد نے حضرت حسن سے سفارش کرکے اس کو بچا لیا۔ مختار کی اس حرکت کی وجہ سے عام شیعہ اس کو عثمانی یعنی اہل بیت کا دشمن اور بنو اُمیہ کا حامی خیال کرنے لگے تھے۔

بیس سال کا عرصہ اور گذر جاتا ہے۔ سنہ ۴۱ھ سے سنہ ۶۰ھ تک معاویہ اپنی فراخ دستی اور کشادہ دلی کی بدولت کامیابی کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔ حضرت حسن نے مذکورہ سانحہ کے بعد ان سے صلح کرلی تھی جس کی ایک دفعہ کے ماتحت وہ کوفہ کا سارا خزانہ لے کر اور صوبہ اہواز کا خراج نامزد کرا کے مدینہ روانہ ہو گئے اور معاویہ کی زندگی بھر خلافت سے دست بردار رہنے کا خط لکھ دیا۔ سنہ ۵۱ھ میں ان کی ایک بیوی نے زہر دے کر ان کا خاتمہ کیا۔[2] اور سنہ ۶۰ھ میں معاویہ نے وفات پائی ان کے انتقال کے بعد کوفہ کے شیعوں میں حضرت حسینؓ کو خلیفہ بنانے کی پرزور تحریک شروع ہوئی اس تحریک کے محرک وہ بڑے بڑے قبائلی سردار تھے جن کو حضرت علیؓ سے تقرب حاصل تھا اور درباری اقتدار سے مشرف تھے حضرت علی کے بعد ان کا تقرب و اقتدار جاتا رہا تھا، حضرت حسن کی صلح پر یہ لوگ بہت برہم ہوئے تھے اور ان کو خلافت کے لئے جدوجہد کرنے پر اکساتے رہتے لیکن حسن کچھ تو ان کی سابقہ بے وفائی کے سبب اور کچھ ایک گرانقدر منشن کے پیش نظر ان کی ترغیبات کو برابر مسترد کرتے رہتے تھے ان کی وفات کے بعد یہ سردار حضرت حسینؓ کی طرف متوجہ ہوئے ان کے خفیہ وفد آکر حضرت حسین سے اپنی وفاداری اور محبت اہل بیت کے پرانے راگ گانے لگے، پہلے سے بہت زیادہ گرمجوشی اور اظہار ندامت کے ساتھ لیکن چونکہ ایک طرف معاویہ بہت چوکنا رہتے اور مدینہ کی سی آئی ڈی کی معرفت حسین کے حالات معلوم کرتے رہتے اور دوسری طرف خود حسین کو شیعوں کے پچھلے طرز عمل کی بنا پر ان سے اخلاص و وفا کی امید نہ تھی وہ ٹالتے رہے اور یہ واقعہ ہے کہ قبائلی سرداروں کی اس تحریک کے پیچھے ذاتی عظمت اور دنیاوی اقتدار کا جذبہ کارفرما تھا جو۔۔

---

[1] مروج الذہب [2] اخبار الطوال ص ۲۳۳

عظمت و اقتدار حضرت علیؓ کے عہد میں ان کو حاصل تھا اور جس سے بنو امیہ کی حکومت میں وہ محروم ہوگئے تھے اس کی ایک برجستہ مثال ہم کو ان کے سرگروہ حُجر بن عدِی کے طرزِ عمل میں ملتی ہے حضرت علی کے عہد میں حُجر کو قبیلۂ کندہ کی سیادت اور دوسرے اعزاز حاصل تھے اس سیادت اور اعزاز سے محروم ہو کر وہ اور ان کی پارٹی کوفہ میں شورش برپا کرنے کے درپے ہوگئے ایک دن کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ (۴۱ھ تا ۴۹ھ یا ۵۰ھ) جمعہ کے دن منبر پر تقریر کر رہے تھے تو حجر نے ان پر کنکریاں پھینکیں مغیرہ فوراً اتر کر قصرِ امارت پہنچے اور پانچ ہزار درہم کا عطیہ حجر کی تالیفِ قلب کے لئے بھیج دیا حجر مطمئن ہوگیا مغیرہ کے کسی مشیر نے ان کو کمزوری کا طعنہ دیا تو انھوں نے کہا میں نے اس روپیہ سے حُجر کو قتل کر دیا ہے۔[۱]

حضرت معاویہ کا لڑکا یزید ۶۰ھ میں خلیفہ ہوا۔ شیعی پھر حرکت میں آئے اور ہر بار سے زیادہ شدت اور جوش کے ساتھ، حُجر اپنی باغیانہ سرگرمیوں کی بدولت زیاد کے زمانہ میں قتل ہو چکا تھا اس کی لیڈری سلیمان بن صُرد کے ہاتھ میں آئی۔ یہ بھی ایک قبائلی سردار تھا سلیمان کی قیادت میں سارے شیعے سر جوڑ کر بیٹھے اور حضرت حسین کو کوفہ بلا کر خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پے در پے وفد کوفہ کے شیعہ سرداروں کے خطوط اور وفاداری کے عہد نامہ لے کر مدینہ آئے اور اس قسم کے خطوں کی اتنی بھرمار ہوئی کہ بقول مصنف اخبار الطوال حضرت حسین کے دو تھیلے ان سے بھر گئے۔ حسینؓ نے بھی موقع سازگار دیکھا اور یزید کی بیعت کو ٹالنے لگے ان خطوط کے جواب میں انھوں نے شیعہ سرداروں کو لکھا کہ میں اپنا ایک نمائندہ تحقیق حال کے لئے بھیجتا ہوں اگر اس نے تمہارے خلوص اور عزم کی تائید کی تو میں بہت جلد پہنچوں گا۔[۲] یہ نمائندہ حضرت حسین کے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل تھے شیعوں کی اس کارروائی کی خبر یزید کو ہوگئی اس نے فوراً عبید اللہ بن زیاد کو جو اس وقت بصرہ کا گورنر تھا اور سرکش عربوں کو قابو میں رکھنے کی بڑی صلاحیت رکھتا تھا کوفہ کی گورنری پر مامور کیا اور کوفہ کے موجودہ گورنر نعمان بن بشیر انصاری کو جنہوں نے باغیانہ شورش کو بلا تعرض پھلنے پھولنے دیا تھا معزول کر دیا۔

---

[۱] اخبار الطوال صفحہ ۲۳۶ [۲] اخبار الطوال صفحہ ۲۴۴

عبید اللہ نے کوفہ آ کر بڑی مسجد میں یہ تقریر کی! امیر المومنین (یزید) نے مجھ کو تمہارے شہر کا حاکم مقرر کیا ہے، مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارا خراج تم ہی پر خرچ کروں مظلوموں کے ساتھ انصاف اور فرمانبرداروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤں اور نافرمانوں اور مشتبہ لوگوں کے ساتھ سختی برتوں میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا میں فرمانبرداروں کے حق میں مشفق اور مخالفت کرنے والوں کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہوں گا۱؎

کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل مختار کے گھر فروکش ہوئے۔ ذوالحجہ سنہ ۶۰ھ۲؎ مختار نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کی دعوت کو لبیک کہا۔ اس واقعہ نے اس کے سر سے عثمانی ہونے کا الزام دور کر دیا ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ سنہ ۴۰ھ میں اس نے اپنے چچا سعد کو مشورہ دیا تھا کہ حضرت حسن کو معاویہ کے سپرد کر دیا جائے اب اس کا شمار اہلِ بیت کے حامیوں اور جاں نثاروں میں ہونے لگا، عبید اللہ کی تقریر کا اثر ہوا اور بہت سے لوگ جو اس کے آنے سے پہلے فتنہ کے لئے آمادہ تھے متزلزل ہو گئے۔ مسلم مختار کے گھر سے مصلحتاً ایک بارسوخ قبائلی سردار ہانی بن عروہ کے گھر روپوش ہو کر حضرت حسینؓ کے لئے خاموشی سے بیعت لینے لگے چند ہی دن میں بارہ ہزار افراد نے حلفِ وفاداری کے ساتھ بیعت کر لی، عبید اللہ نے جاسوسوں کے ذریعہ مسلم کی پناہ گاہ معلوم کرالی اور ہانی کو بلا کر برملا قتل کرادیا۔ اب مسلم کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ یا تو خود کو گورنر کے حوالہ کر دیں یا مقابلہ کریں انھوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور بارہ ہزار جمعیت کے ساتھ قصرِ امارت کا محاصرہ کر لیا رات کو قلعہ کی فصیل سے شہر کے ان سرداروں نے جو بنو امیہ کے حامی تھے اور اس وقت گورنر کے ساتھ قلعہ میں موجود جوشیلی تقریریں کیں محاصرین کو دھمکایا اور شاہ کی افواج سے جن کی خون آشام تلوار کا جنگِ صفین (سنہ ۳۷ھ) میں وہ خوب تجربہ کر چکے تھے ڈرایا اور فتنہ پردازی سے باز رہنے کی اپیلیں کیں۳؎۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب رات ہوئی تو مسلم کے سارے ساتھی فرار ہو گئے حتیٰ کہ ان کے ساتھ ایک سپاہی بھی باقی نہ رہا دوسرے دن مسلم کو ایک شیعی کے گھر سے جس نے آکر خود مخبری کی تھی گرفتار کر لیا گیا۔

۱؎ اخبار الطوال ص۲۳۱ ۲؎ العبر ۳/۲۲ ۳؎ اخبار الطوال ص ۲۴۲

قتل ہونے سے پہلے انھوں نے ایک معتمد سے وصیت کرتے ہوئے کہا: حسین سے کہلا بھیجو کہ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے جو اہل بیت کی جاں نثاری کے مدعی تھے مجھ سے بیعت کرکے غداری کی اور مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا نیز یہ کہ وہ مکہ لوٹ جائیں اور اہل کوفہ کے دھوکہ میں نہ آئیں۔"

اس سے پہلے مسلم حضرت حسینؓ کو لکھ چکے تھے کہ کوفہ کی ساری آبادی ان کی طرفدار ہے اور اٹھارہ ہزار نے بیعت کر لی ہے حضرت حسینؓ کی روانگی کا جب وقت آیا تو عبداللہ بن عباس نے ان کو روکا اور اہل کوفہ کی وہ غداری یاد دلائی جس سے وہ حضرت علیؓ اور حسنؓ کے ساتھ پیش آئے تھے پھر عبداللہ بن الزبیر نے جو حصولِ خلافت کے لئے خاموشی سے زمین تیار کر رہے تھے ان کو کوفہ جانے سے روکا لیکن وہ نہ مانے، چلتے وقت ایک بار پھر عبداللہ ابن عباس نے حسین کو سمجھایا وہ پھر بھی نہ مانے ابن عباس کا آخری مشورہ یہ تھا اگر بغیر جائے تم نہیں مانتے تو بچوں اور عورتوں کو ساتھ نہ لے جاؤ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے تم قتل ہو گے جس طرح ابن عفان (عثمان) قتل ہوئے تھے اور ان کے بچے سامنے تھے۔[1]

حضرت حسین مکہ کے اموی گورنر کی پولیس سے مڈبھیڑ کرتے ہوئے کوفہ کے راستہ سے نکل کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ستر سے اوپر لوگ تھے جو ان کے غلاموں، کنیزوں، موالی اور خاندانی افراد پر مشتمل تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی (متوفی ۸۱ھ) ابن حنفیہ نے جانے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اس مہم کی کامیابی کی طرف سے متشکک تھے راستہ میں کئی جگہ ان کو کوفہ سے آنے والے لوگ ملے جنہوں نے لوٹ جانے کا مشورہ دیا ان کو کوفہ کی حالت سے آگاہ کیا پھر ان کو مسلم کے قتل اور ان کی وصیت کی تفصیلات ملیں لیکن ان کے قدم پیچھے نہ مڑے راستہ میں بہت سے عرب بدو ان کے ساتھ ہو گئے تھے جب ان کو حقائق امور کا علم ہوا تو بھیڑ گئے، عبیداللہ نے کوفہ آنے والے راستوں کے مورچوں پر پہرہ لگا دیا تھا اور حضرت حسین کو گرفتار کر کے لانے کے لئے فوجیں مامور کر دی تھیں۔ کوفہ کی ساری مردم آبادی یا تو ان کے

---

[1] اخبار الطوال ص۲۵۷

مقابلہ کے لئے نکل گئی تھی یا گورنر کے کیمپ میں حکم کی منتظر تھی۔[1]

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ مسلم مختار کے گھر آکر ٹھہرے تھے مختار نے ان کی بڑی آؤبھگت کی ان کی دعوت پر لبیک کہا، سچے دل سے ان کی تحریک کو کامیاب بنانے کا مشورہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں کو اس کا سپاہی بنا کر مسلم کے ہاتھ پر حضرت حسینؑ کے لئے بیعت کرا دی۔[2] پھر وہ اپنے غلاموں اور موالی کی ایک جمعیت لئے اور اس دعوت کی تبلیغ کرنے اپنی جاگیر چلا گیا جو کوفہ سے باہر تھی اس کے جانے کے بعد مسلم ہانی کے گھر منتقل ہو گئے مسلم کے عبیداللہ سے آمادۂ پیکار ہونے کی خبر اس کو دوپہر کے وقت ملی اور وہ فوراً اپنے موالی کے ساتھ مغرب کے وقت کوفہ پہنچ گیا۔

عبیداللہ نے اہل کوفہ کو قابو میں لانے کے لئے منادی کرا دی تھی کہ جو شخص جامع مسجد میں حاضر نہ ہوگا اس کا خون حلال ہے۔ لوگ جوق جوق اہل بیت کی جاں نثاری کو جان پر قربان کئے مسجد میں جمع ہو رہے تھے مختار مسجد کے دروازہ پر دریافت حال کے لئے پہنچا تو اس کے ایک خیر خواہ نے تعجب سے پوچھا: "تم یہاں کیسے کھڑے ہو نہ لوگوں کے (وفاداران حکومت) کے ساتھ ہو نہ اپنے گھر میں ہو (یعنی باغیوں کے ساتھ) مختار نے کہا "خدا کی قسم تم نے اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ میری عقل خبط ہو گئی ہے کہ کیا کروں"۔[3] خیر خواہ نے کہا: خدا کی قسم مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مارے جاؤ گے اس کے بعد عبیداللہ کے ڈپٹی گورنر نے جو اہل کوفہ کو مسجد میں جمع کرنے کا منتظم تھا مختار کو پیغام بھیجا: "عقل کے ناخن لو خود کو خطرہ میں نہ ڈالو، مسلم کی پوزیشن بھروسہ کے لائق نہیں اگر تم مسجد میں حاضر ہو جاؤ گے تو میں عبیداللہ سے سفارش کر کے تم کو بچا لوں گا"۔ مختار نے خیریت

---

[1] حضرت حسین مع اکثر ساتھیوں کے شہید کر دیئے گئے۔ ان کے دونوں چھوٹے لڑکوں علی اور عمر اور حرم کی عورتوں کو یزید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا یزید حادثہ کربلا کی خبر سن کر آبدیدہ ہو گیا اور عبیداللہ کے نمائندہ سے بولا: "تمہارا براہو حسین کو قتل کئے بغیر میں تمہاری کارگذاریوں سے مطمئن ہو جاتا۔ ابن مرجانہ (عبیداللہ) پر خدا کی لعنت، قسم خدا کی اس کام کی سربراہ کاری اگر میرے ذمہ ہوتی تو ابو عبداللہ (حسین) کو معاف کر دیتا پھر بچوں اور عورتوں کو اس نے حرم میں بھیج دیا دوپہر کا کھانا علی اور عمر کے ساتھ کھاتا تھا [1] اخبار الطوال ص۲۷۲ [2] طبری ۷/۵۰ و انساب الاشراف ۵/۲۱۴ [3]

اسی میں دیکھی اور مسجد میں حاضر ہو گیا، صبح کو عبیداللہ نے ان سرداران کوفہ کو جو مسجد میں جمع ہوئے تھے سوال جواب کے لئے محل میں بلایا ان میں مختار بھی تھا اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ مختار مسلم کی مدد کے لئے موالی کی ایک جماعت لے کر آیا ہے غیظ اور طنز کے ساتھ اس نے مختار سے کہا مسلم کی مدد کے لئے تو فوجیں لے کر آیا ہے! مختار نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ میں تو مسجد میں حاضر ہو گیا تھا اور رات وہیں گذاری عبیداللہ نے بڑے زور سے اس کے منہ پر چھڑی ماری جس سے اس کی آنکھ کا ڈھیلا الٹ گیا۔ اب ڈپٹی گورنر آگے بڑھا اور اس نے مختار کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی سفارش کی، مختار قید میں ڈال دیا گیا اور واقعہ کربلا تک قید میں رہا۔

حضرت حسینؓ کے قتل کے بعد مختار نے اپنے چچا زاد بھائی (زائدہ بن قدامہ بن مسعود) کو عبداللہ بن عمرؓ جن کو مختار کی بہن صفیہ بیاہی تھی، کے پاس مدینہ بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ یزید کو لکھ کر عبیداللہ کی قید سے اس کو چھڑا لیں، یزید نے اس کی رہائی کا خط لکھ دیا، عبیداللہ نے بادل ناخواستہ تین دن کے اندر اندر کوفہ چھوڑنے کا حکم دے کر اس کو رہا کر دیا[۱]۔

تیسرے دن مختار اپنے وطن طائف کو روانہ ہو گیا دل میں حسرت، غصہ، اور ناقابل تسخیر عزم کے جذبات لئے اس کے منصوبے پختہ ہو چکے تھے اہل بیت کے لئے اس کا خلوص اور وفاداری مُسَلَّم ہو چکی تھی۔ انھی کی خاطر وہ قید ہوا، انھی کی بدولت اس کی آنکھ گئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اہل بیت کے حامی کی حیثیت سے وہ حکومت و اقتدار حاصل کرے گا اس کو اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ تھا۔

کوفہ سے آنے کے بعد مختار ساڑھے تین برس اپنے وطن طائف مکہ اور مدینہ میں رہا۔ وہ غالباً صفر ۶۱ھ میں گیا اور یزید کی وفات کے چھ ماہ بعد یعنی رمضان ۶۴ھ میں کوفہ لوٹا[۲]۔ اس جبری اخراج کے بعد راستہ میں مکہ سے آنے والے ایک شناسائی سے اس کی ملاقات ہوئی جس نے آنکھ پھوٹنے کا سبب دریافت کیا۔ مختار نے کہا حرامزادے (عبیداللہ) نے لکڑی مار کر پھوڑ دی خدا مجھے غارت کرے اگر اس کی انگلیاں، ہاتھ اور اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دوں۔ ملاقاتی نے حیران ہو کر پوچھا

---

[۱] انساب الاشراف ۱۰۲/۵ و طبری ۵۹/۷ [۲] طبری ۵۱/۷ و ۹۵/۷

یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ مختار نے وثوق سے کہا: میرے ان الفاظ کو یاد رکھو، ایک دن ان کی سچائی تم کو معلوم ہو جائے گی" پھر مختار نے اس سے ابن الزبیر کی سرگرمیاں دریافت کیں اس نے کہا ابن الزبیر خانہ کعبہ چلے گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے "اس گھر کے مالک" کے پاس پناہ لی ہے، لوگ کہتے ہیں وہ چھپ کر اپنے لئے بیعت لے رہے ہیں میرا خیال ہے جونہی ان کی قوت اور جمعیت بڑھی وہ بغاوت کر دیں گے مختار کو یہ سن کر بالکل تعجب نہیں ہوا کیونکہ وہ پہلے ہی سے ابن الزبیر کے ارادوں سے واقف تھا۔ ملاقاتی کی رپورٹ پر اس نے یہ الفاظ کہے: "یقیناً ایسا ہی ہوگا بلاشبہ عربوں میں ایک وہی جیوٹ آدمی ہیں، اگر وہ میرے مشورہ پر عمل کریں تو میں لوگوں کو ان کے جھنڈے تلے جمع کر دوں گا اگر ایسا نہ کریں گے تو خدا کی قسم میں بھی کسی عرب سے کم نہیں ہوں[1]۔ اس کے بعد حضرت علی اور حسین کے قتل کے انتقام اور ایک ہولناک فتنہ کے رونما ہونے کی پیشین گوئی کر کے حجاز کی طرف روانہ ہو گیا۔ (باقی آئندہ)

[1] طبری ۷/۶۰

تفسیر مظہری

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بے مثل تحفہ

ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوہر نایاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ سالہا سال کی عرقریز کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں چھپ چکی ہیں جو کاغذ و دیگر سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

ہدیہ غیر مجلد جلد اول تقطیع ۲۹×۲۲ سات روپے، جلد ثانی سات روپے جلد رابع پانچ روپے
جلد خامس سات روپے جلد ششم آٹھ روپے، جلد ثالث آٹھ روپے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

التقریظ والانتقاد

حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کے سیاسی مکتوبات[1]

(سعید احمد اکبر آبادی)

حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کا زمانہ تاریخِ ہند کا ایک نہایت پُر آشوب و پُر فتن زمانہ تھا اکبر و جہانگیر کے تخت کا وارث ایک کٹ پتلی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا ملک میں ہر طرف طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی مشرق میں انگریز اور اودھ والے۔ مغرب میں سکھ۔ جنوب میں مرہٹے اور راجپوت، اور گنگا جمنا کے دوآبہ میں روہیلہ پٹھان اپنی اپنی حکومت قائم کرنے کے جتن کر رہے تھے۔ سوسائٹی کا شیرازۂ زندگی پراگندہ ہوگیا تھا۔ لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بازار گرم تھا ان حالات میں یہ کیوں کر ممکن تھا کہ شاہ ولی اللہ ایسا زبردست مفکر و صاحبِ نظریہ سب کچھ دیکھتا اور حالات کو بدل کر ایک صالح سوسائٹی پیدا کرنے کی فکر نہ کرتا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ایک نہایت جامع اور وسیع انقلابی پروگرام کے حامل تھے انھوں نے ایک عظیم المرتبت مجدد و مفکر کی حیثیت سے اپنے عہد کی ہر قسم کی سیاسی، سماجی اقتصادی۔ اور مذہبی و اخلاقی زبوں حالی کا جائزہ دقیقہ رسی کے ساتھ لیا اُس کو برملا اور علی الاعلان بیان کیا اور اس صورتِ حال کا جو کامیاب علاج ہو سکتا تھا اس کو بار بار اور مختلف اسالیبِ بیان کے ساتھ پیش کیا لیکن بایں ہمہ یہ چیز برابر کھٹکتی اور خلش کا باعث بنتی رہی کہ شاہ صاحب نے اپنی دعوتِ انقلاب کو صرف فکر و نظر اور تحریر و تقریر تک محدود رکھا اور حضرت مجدد الف ثانی کی طرح انقلاب پیدا کرنے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا اس خلش کی وجہ یہ تھی کہ پیشِ نظر حضرت شاہ صاحب کی صرف تصنیفات تھیں اور ان کے علاوہ کوئی سرمایۂ معلومات ایسا نہیں تھا جن کی روشنی میں

[1] مرتبہ جناب خلیق احمد صاحب نظامی لکچرر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کتابت و طباعت بہتر تقطیع متوسط قیمت مجلد ہے
پتہ:۔ احتشام احمد صاحب نظامی نفیس منزل مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

شاہ صاحب کی علمی جد و جہد کا بھی کچھ پتہ مل سکتا۔

جو لوگ حضرت شاہ صاحب کی عظمتِ فکر و شخصیتِ بلند سے آگاہ ہیں ان سب کو شکر گذار ہونا چاہئے جناب مولوی خلیق احمد صاحب نظامی ایم۔اے کا کہ انھوں نے حضرت اقدس کے سیاسی مکتوبات کا کھوج لگا کر اور ان کو نہایت خوبی اور عمدگی سے مرتب و مہذب کر کے آج اس خلش کے دور ہونے کا سامان بہم پہنچا دیا ہے اور قارئین کا تو معلوم نہیں حال کیا ہوگا راقم الحروف کو جب یہ کتاب ملی اور فوراً اس کو از اول تا آخر پڑھا تو کہہ نہیں سکتا کہ کس قدر مسرت و شادمانی اس خیال سے ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات پڑھ کر راقم الحروف نے شروع سے جو خیال قایم کر رکھا تھا اور جو ٹھوس مواد نہ ملنے کی وجہ سے صرف قیاس آرائی کی حد تک محدود تھا آج وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس کتاب میں پروفیسر محمد حبیب اور شیخ عبدالرشید کے تعارف و تقریب کے بعد پہلے خود فاضل مرتب کا ایک محققانہ اور طویل مقدمہ ہے جس میں انھوں نے حضرت شاہ صاحب کے عہد کے حالات پر بڑی دلکش زبان میں روشنی ڈال کر مکتوبات کا جائزہ لیا اور ان کی اہمیت و مباحث پر گفتگو کی ہے اس کے بعد اصل مکتوبات ہیں جو سب فارسی زبان میں ہیں اور گنتی میں چھبیس ہیں۔ اصل مکتوبات کے بعد ان کا اردو ترجمہ ہے جو صفحہ ۹۱ سے ۱۴۳ تک پھیلا ہوا ہے ترجمہ کے بعد حواشی ہیں جن میں مکتوبات کے بعض اشاروں کے متعلق تاریخی حوالجات بڑی محنت سے بہم پہنچائے گئے ہیں پھر ضمیمہ جات کا ایک باب ہے جس میں حضرت شاہ صاحب کے سوانح و حالات اور تصنیفات اور حضرت شاہ صاحب کے ہم عصر سلاطین مغلیہ کی ایک فہرست مع ان کے اسماء اور تاریخہائے تخت نشینی و تخت گذاری کے احمد شاہ ابدالی، نجیب الدولہ، نواب مجدالدولہ، مولانا سید احمد یعنی حضرت شاہ صاحب کے اہم اور نمایاں تر مکتوب الیہم کے حالات و سوانح کا ذکر مؤرخانہ طور پر کیا گیا ہے۔ سب سے آخر میں ان مختلف زبانوں کے ماخذ کی فہرست ہے جن سے ان مکتوبات کی جمع و تدوین میں مدد لی گئی ہے اس تفصیل سے یہ واضح ہوگا کہ یہ کتاب

جس طرح حضرت شاہ صاحب سے عقیدت وارادت رکھنے اور ان کے ایک ایک لفظ کو خزف جاں سمجھنے والوں کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے اسی طرح ہندوستان کی اٹھارہویں صدی کی تاریخ کے ایک طالب علم کے لئے بہت قیمتی اور لائق قدر ہے۔

ان خطوط کے مطالعہ سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی نظر زوال کے اسباب پر کس قدر گہری تھی اور ان کے دل میں اس صورت حال کے باعث درد وغم کا کیسا بے پناہ ہجوم تھا جو انھیں ہر وقت سراسیمہ و آتش زیر پا رکھتا تھا اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اصلاح و انقلاب کا جو پروگرام تیار کیا تھا وہ کس درجہ وسیع ۔ٹھوس اور وقت کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ تھا یہ ایک ایسا زمانہ تھا جب کہ یورپ میں صنعتی انقلاب پیدا ہو رہا تھا اور جاگیرداری نظام ختم ہونے والا تھا۔ حضرت شاہ صاحب بھی اس کے حامی ہیں اور وہ بادشاہ کو مشورہ دیتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی جاگیریں ختم کردی جائیں. جاگیرداری سسٹم کو ختم کرنے کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔

حضرت شاہ صاحب نے سب سے پہلے اس کی کوشش کی کہ دلی کے بے جان بادشاہ میں کسی طرح جان پڑجائے اور مرکزی حکومت کی پرانی عظمت واپس آجائے مغل بادشاہ احمدشاہ اور اس کی والدہ کو حضرت شاہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی چنانچہ ماں بیٹے دونوں خود حضرت موصوف کے مکان پر آتے تھے اور روحانی فیوض وبرکات حاصل کرتے تھے (مکتوب دہم) حضرت شاہ صاحب نے بادشاہ کو اصلاح و انقلاب کا ایک نہایت واضح اور جامع پروگرام دیا۔

ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

بادشاہ کی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ ادھر بنگال میں علی وردی خاں بیرانہ سالی کے باوجود مرہٹوں اور ان کے ساتھ اسلام دشمن پٹھانوں کو کبھی بہار میں اور کبھی اڑیسہ میں اور کبھی خود بنگال میں شکستوں پر شکستیں دے رہا تھا لیکن ادھر بادشاہ (محمد شاہ) نے پچیس لاکھ صوبہ بنگال اور دس لاکھ صوبہ بہار کی طرف سے بطور چوتھ کے مرہٹوں کو ہر سال دینا منظور کرلیا اور اس طرح گویا مرہٹوں کے

اقتدار کو جواز کی دستاویز لکھ دی گئی محمد شاہ کے انتقال کے بعد اس کا اکلوتا لڑکا احمد شاہ ۱۱۶۱ھ میں بادشاہ ہوا تو چونکہ بچپن سے لے کر اکیس سال کی عمر تک یعنی تخت نشین ہونے سے ایک سال پہلے تک اس کی پرورش عورتوں کے جھرمٹ میں اور محل شاہی کے عشرت افزا ماحول میں ہوئی تھی اس لئے یہ امور سلطنت وحکومت سے بالکل بیگانہ تھا چنانچہ بادشاہ ہوتے ہی اس نے تمام کاروبار حکومت جاوید خاں نامی ایک خواجہ سرا کے سپرد کر دیا اور خود عیش وعشرت کی داد دینے میں مصروف ہوگیا "سبک عقلی اور دل ودماغ کی تہی دامنی سے نوبت یہاں تک پہنچی ایک مرتبہ ایک شیر خوار بچہ کو پھولوں کے تخت پر بٹھا کر اعلان کیا کہ یہ بچہ شہنشاہ ہے اور امراء وحکام کے سبھوں کو حکم دیا کہ اس بچہ کو آکر سلام کریں اور آدابِ شاہی بجالائیں ایک مرتبہ ایک تین سال کے بچہ کو پنجاب کا گورنر اور دوسرے دو سالہ بچہ کو اس کا نائب مقرر کیا پس ظاہر ہے کہ ایسے بے مغز وبے حس بادشاہ سے کیا توقع ہوسکتی تھی، اب حضرت شاہ صاحب نے اس طرف سے مایوس ہوکر ان طاقتوں کا جائزہ لیا جو اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے ملک میں ہنگامہ برپا کئے ہوئے تھیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان سب طاقتوں یعنی انگریز، مرہٹہ، جاٹ اور سکھ میں سب سے زیادہ صالح عنصر روہیلوں کا تھا جنہوں نے ہمالہ کے دامن سے اُٹھ کر تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی حکومت "از گنگ تا سنگ" قائم کرلی تھی اور جو عدل وانصاف، ہمت وجرأت، بیدار مغزی اور انتظامی وحربی صلاحیتوں کے اعتبار سے سب میں ممتاز تھے، اب حضرت شاہ صاحب کی نگاہِ انتخاب نے ان کو تاکا چنانچہ اس مجموعہ میں آٹھ خطوط روہیلہ سردار نجیب الدولہ کے نام ہیں جن میں حضرت شاہ صاحب مکتوب الیہ کی عجب عجب طریقہ سے حوصلہ افزائی کرتے اور ہمت بندھاتے ہیں کبھی اس کو راس المجاہدین کہہ کر خطاب کرتے ہیں اور کبھی رئیس الغزاۃ لکھکر اس کے کلاہِ افتخار کو تا بفلک پہنچاتے ہیں، ایک خط میں کس امید اور ولولہ کے ساتھ لکھتے ہیں

"آنچہ معلوم می شود آنست کہ امروز تائید ملت وامت مرحومہ در پردۂ آں مصدر خیر ظہور می کند۔"

نجیب الدولہ کو دہلی پر حملہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی تاکید ہے کہ راستہ میں یا دہلی